



# ارشاد نبوی

عن أبي عبيدة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الصيام حبة ماله غير قهارة حضورا من الله عليه وسلم كما ارشاد به في روزه آدمي كيبه في حاله في جبته اس كوحيا لانه في الة  
 ذواله ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدمی ذوالہ سے اپنی حفاظت کرتا ہے اس طرح روزہ سے بھی اپنے دشمن یعنی شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ روزہ حفاظت ہے اللہ کے عذاب سے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ روزہ جہنم سے حفاظت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ روزہ کس چیز سے بچٹ جاتا ہے، حضور نے فرمایا کہ جھوٹ اور غیبت سے ان دونوں روایتوں میں اور اسی طرح اور بھی متعدد روایات میں روزہ میں اس قسم کے امور سے بچنے کی تاکید آئی ہے اور روزہ کا گویا ضائع کر دینا اسکو قرار دیا ہے، ہمارے اس زمانہ میں روزہ کے کاٹنے کے لئے مشغلہ اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ وہی تباہی میری تیری باتیں شروع کر دی جائیں، بعض علماء کے نزدیک جھوٹ اور غیبت سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ دونوں چیزیں ان حضرات کے نزدیک ایسی ہیں جیسے کہ کھانا پینا وغیرہ سب روزہ کو توڑنے والی اشیاء ہیں، جمہور کے نزدیک اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں مگر روزہ کے برکات جانتے رہنے سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔

فضائل رمضان

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی

رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ

مطابقت

۲۵ نومبر ۱۹۶۹ء

جلد ۱

# تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

چندہ

ساکلانا ..... ۸ روپے  
 ششماہی ..... چار روپے  
 فی کاپی ۳۵ پیسے

شعبہ تعمیر و ترقی حلال العلوم مند العلماء کھنؤ

شمارہ ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# چشمہ نصیب

سچے خوش نصیب وہ لوگ نہیں جنہوں نے لاٹری کا ٹکٹ خرید کر اپنا روپیہ گنوا یا اور ایمان خراب کیا، زندہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ مبارک زمانہ اور قیمتی وقت لہو و لعب اور کھیل تماشے میں گزار دیا، سچے خوش نصیب وہ ہیں جنہوں نے اس بابرکت مہینہ اور موسم بہار کی قدر کی، اپنی زندگی کی قیمت سمجھی اور اس مہینہ کو مجاہدہ، نفس کشی، عبادت دریا صفت، مسرور استقامت اور زہد و طاعت میں گزارا، اگر مکرہات سے پرہیز نہ ہوتا تھا تو ان دنوں میں اس التزام کیا، اگر نوافل کا حصہ کم تھا تو اس میں امانہ کیا، اگر صدقہ و خیرات کی عادت نہ تھی تو ان ایام میں اس کی طرف خصوصی توجہ دی، غیبت و بدگلائی اور فضول گوئی کی عادت تھی تو اس سے توبہ کی، بد خیالی یا بد نگاہی سے بچنا مشکل تھا تو اس مہینہ میں اس سے مکمل اجتناب کا عہد کیا، ایسے وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ امید ہوتی ہے کہ ان کی بقیہ زندگی بھی ان کی اس حسن نیت اور حسن عمل کی بدولت اسی، رمضان کے حکم میں آجائے گی۔

حدیث شریف میں تین قسم کے لوگوں پر بڑے افسوس کا اظہار کیا گیا ہے ایک وہ جو رمضان جیسا مہینہ پاسے اور اپنی منفرت نہ کر سکے، ایک وہ جسکے بڑے مال باپ ہوں اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ بن سکے، اور ایک وہ جسکے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے اور وہ درود نہ پڑھے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم خوش قسمت و بد قسمت دونوں کی صورت پوری طرح پہچان سکتے ہیں، اگر ہمارے اور دنوں اور رمضان کی ان مبارک شمس ساعتوں میں سوائے شاندار افطار اور پر تکلف سحری کے اور کچھ فرق نہیں تو یہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے بہت نیک اور تشریش کی بات ہے، یہ نہ صرف ایمانی زندگی کے جمود کی علامت ہے بلکہ انحطاط کی نشانی ہے، اور یہ بہت خطرناک منزلوں تک لے جاسکتی ہے۔

آئیے اب کوشش کریں کہ یہ آخری چند روز (جن میں آخری عشرہ ہے اور شب قدر کا امکان بھی زیادہ پایا جاتا ہے) اس طرح گزاریں کہ خود ہم کو بھی کچھ مسرت محسوس ہو، ہمارے اندر بھی کچھ لذت اور کیفیت پیدا ہو، خدا سے قلق برٹھے، بڑی باتوں سے نفرت محسوس ہو، مال و دولت سے زیادہ ذخیرہ آخرت جمع کر لیں، اگر یہ احساسات کسی درجہ میں بھی ہمارے اندر پیدا ہو جاتے ہیں تو انشاء اللہ ہمارا شمار بھی رمضان المبارک کے سچے خوش نصیبوں میں ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت چوری طرح متوجہ ہے اور اس کا دریائے رحمت جوش پر ہے، منفرت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ضرورت ہے صرف اخلاص کی مانگنے والے ہاتھوں کی، جھیل ہوئی آنکھوں کی، اور مختصر اس سچے جذبہ عبودیت کی جس کے بدساری مندریں انشاء اللہ خود بخود آسان ہو جائیں گی۔

نہی

سید محمد حسینی





کھانا کھلاؤ یا اس کے جان کیلئے  
 کپڑا فراہم کر دو یا کوئی مزدور  
 لے کر آیا ہے تو اس کی ضرورت پوری  
 کر دو۔

ان تمام آیات کریمہ احادیث  
 شریفہ کے پیش نظر دین سے بے  
 دین اہل دنیا سے بھروسہ نہ کرنا  
 مستحسن کے بارہ میں صحت شافی  
 کا سوال مسکنی فہرست کی یا مقلد مقلد  
 کا سوال صرف وہی شخص اپنے پیش نظر  
 رکھ سکتا ہے جو دل کا ازلی شفیق ہو  
 اور جسکو ان نسبت و اخلاق و عہدہ دی  
 کا ایک ذرہ بھی نصیب نہ ہو اور

**فہرست کے چند خواہی**

**اور جذبہ سخاوت**

**کے چند واقعات**

جات اسلام کوام میں پوری و  
 سخاوت کے بہت سے واقعات نمایاں  
 فرمے پائے جاتے ہیں ان میں  
 ایک واقعہ حافل اور جرحہ شریف علیہ  
 نے اسباب میں نقل کیا ہے۔

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباس

کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس

جو بچہ سستی تھے۔ ایک بار ایک شخص

نے لوگوں میں مشہور کر دیا کہ آج

حضرت عبد اللہ بن عباس کے

یہاں سب کی دعوت ہے دعوت عام

سنگر آپ کے یہاں اتنے لوگ پہنچے

کے کہ آپ کا سارا گھر بھر گیا حضرت

نے جو بچا لیا بات ہے؟ لوگوں نے

کہا کہ آپ کے یہاں دعوت عام کی

اطلاعات سکر مہلک آگے چلی۔

آپ نے بلا ترمین پیلے بازو سے بیٹھ

منگوا دیا اور کھلایا اس کے بعد

گوشت دہی کچھ اور نام حاضرین کو

کھانا کھلایا پھر اپنے صلیب کے تمام

مشتعلین سے پوچھا کیا دیکھیں ہے ان

تمام حضرات کو صبح کا کھانا ہمارے  
 یہاں سے کھلایا جائے، انھوں نے  
 کہا ممکن ہے، فرمایا تو بس میری  
 طرف سے اعلان کر دو کہ آج کی  
 تاریخ سے آپ لوگ ہمیشہ میرے  
 ساتھ صبح کا کھانا کھا لیا کریں۔

(ایضاً: العلم جلد ۳ صفحہ ۲)

۲۔ ان کا ایک اور واقعہ بھی

مشہور و خلاق ہے کہ آپ بازار میں

جا کر اونٹ ذبح کراتے اور وہیں پر

باورچیوں سے پکوا کر لوگوں کی دعوت

عام کرتے (ایضاً: جلد ثانی صفحہ ۲)

یہ عام حالات میں کھانا

کھلانے اور خدمت خلق کا یہ جذبہ

ہمارے اسلاف میں تھا تو آج کے

سیلاب زدہ و پریشان حال و تباہ کن

ماجرے میں یہ جذبہ بدرجہ اولیٰ بیدار

ہونا چاہیے۔

آج کے غم ناک دالم ناک

حالات میں سیلاب کے آفت رسیدہ

آدمیوں کے ساتھ عقل و ضمیر سلوک

اور بھر پور ایثار و تقادون بڑی طرفت

بڑی انسانیت خلق خدا کے ساتھ

بہت بڑی سبکی بڑی پوری میں

داخل ہے۔

**سیلاب سے زخمی**

**طالب امداد ہوں**

سیلاب کے مصیبت زدہ حضرت

نورسوال اہل فرقت کے پاس اپنا

سب کچھ تباہ ہو جانے کے بعد اپنی

فریاد و حاجت آپ کے سامنے پیش

کریں تو آپ کو ولایت اللہ شامل

ملا تنہا کے تحت ان کے ساتھ

مہربانی سے پیش آ جا رہے ہیں

وفا و موافقت و حق المسائل

والحق و ہر وقت آپ خدا

داد مال و دولت میں سے امداد

کرتی جاسیے کیونکہ خداوند کریم

نے مسکوں کا حق بھی اہل فرقت کے  
 مال میں رکھ دیا ہے اسی سلسلہ میں چند  
 واقعات ملاحظہ کریں اس سے معلوم ہوگا  
 کہ اسلاف کوام میں مسکوں کے ساتھ  
 کتنا عمدہ سلوک ہوتا تھا۔

۱۔ حضرت حسن کے پاس ایک

شخص سائل بنکر آیا، آپ نے فرمایا

بچے آپ کے حالات کچھ پیلے سے معلوم ہیں

آپ قابل امداد ہیں لیکن اس وقت

میرے پاس بہت تھوڑی سی رقم

ہے اگر آپ سے تھوڑی فرمائیں تو آپ کچھ

احسان ہو گا۔ یہ کہہ کر خزانچی کو آواز

دے کر فرمایا کہ آپ کے لئے پچاس

ہزار اور پانچ سو دینار کی تھیلیاں لاؤ

یہ پوری رقم منگوا کر سائل کے حوالہ

فرمایا نیز مزدوروں کے ذریعہ ان کے

گھر بھجوا دیا اور مزدور کی بھی اجرت

حضرت حسن نے اپنے پاس سے دیدی

(ایضاً: العلم ج ۳ صفحہ ۲)

۲۔ ایک بار ایک سائل حضرت

طلوونہ کے پاس آیا اور اس نے بتایا

کہ میں آپ کا رشتہ دار بھی ہوں

اس لحاظ سے بھی آپ کو میرا خصوصی

خیال کرنا چاہیے۔ حضرت طلونہ نے

فرمایا کہ اس طرح سے کسی نے آج تک

مجھ سے سوال نہیں کیا، تو اچھا سنو

میں حضرت عثمان سے تین لاکھ درہم

میں ایک زمین فروخت کرنے کی بات

کر رہا ہوں اگر تم چاہو تو وہ زمین بھی

تم کو دے دوں یا حضرت عثمان سے

اس کا دام لیکر تم کو دے دوں۔

سائل نے کہا کہ مجھے دام دیدتے تھے،

چنانچہ حضرت طلونہ نے زمین کو فروخت

کر کے اس رشتہ دار سائل کو ۳ لاکھ

درہم مرحمت کر دیا۔

(ایضاً: العلم ج ۳ صفحہ ۲)

آج کے سیلاب زدہ حضرت اپنے

سند و نامہ کے لوگوں میں جائیں۔

اللہ وار رشتہ داروں کو ان کی بھرپور

مدادنت کرنی چاہیے۔

**بیتنا۔ علمائے امت**

اور نتیجہ میں مندرجہ مندرجہ اختلافات

کی ساری قدر و قیمت میں ہمیں سمجھ

آ جاوے گی اور عالمگیر رواداری و

برداشت پیدا ہو جائے گی۔ اصلاح

نفس، اصلاح کنبہ اور اصلاح عالمگیر

کے مندرجہ صدر کے تین پہلوؤں کا

اپنی صحیح اہمیت اختیار کر جانا امت

کی زندگی کو صحیح سے پوری طرح

طاب الععل بالفعول، کر دے گا۔

یہ چند اشارے قریباً ہماری ضعف

کی حالت میں اس وقت لکھ دیتے ہیں

کہ جب ایک طرف احمد آباد کے فاد

کی خبریں اخبارات میں آرہی تھیں

اور اسی دوران میں مذکورہ اہل

کتنا بچہ، وحدت امت، نظر سے گذرا

اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے

راقم کے ساہا سال گذر گئے۔ ابھی

گذشتہ سال کوئی سو سو صفحات کی

ایک کتاب "تظہیر فکر اسلامی"

کے نام سے قریباً اسی موضوع پر

پرشانہ کرائی تھی، کتاب مذکور

مکتبہ اخبار ترجمان اسلام پریس

اسٹریٹ صدر بازار دہلی سے مل سکتی

ہے، لہذا ایک بے بسی کی حالت

میں یہ سطور لکھ ڈالی گئی۔

اسلامی اخبارات و رسائل سے

گذارش ہے کہ وہ ان سطور کو اپنے

اپنے صفحات میں نقل فرمائیں۔ سلام

بندہ روزہ

**تعمیر حیات**

کا

مطالعہ کیجئے اور اس کی

توسیع اشاعت میں حصہ لیجئے

"نیچر"

**ہے جرم معینی کی سزا مرگ مفاجات**

(استاد سید شرافت علی سندوی ناظم مدارسہ مصاصیح العلوم سائیکس ایم پی)

مسلمان وہ ہے جو حالات کا مقابلہ کرے، حالات کے سامنے اپنے آپ کو  
 مجبور و بے بس قرار نہ دے، مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ ٹھوکر کھانے کے  
 بعد سنبھل جاتا ہے وہ کبھی ایک ہی بل سے دہر تہہ ڈسا نہیں جا سکتا۔ لایلا غالمین  
 من احسن مرتین، وہ مصائب و مشکلات کا استقبال کرتا ہے وہ اپنی ایمانی حرارت  
 سے اپنی حکمت و فراست سے دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے  
 ہمیشہ تیار رہتا ہے دنیا کی کسی چیز کو وہ "غالب" کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے لئے  
 تیار نہ ہوگا کیونکہ حقیقی غلبہ اور اقتدار اور قوت و طاقت کا سرچشمہ خود اس کے دل میں  
 الجتا رہتا ہے وہ سرچشمہ جس سے دین و دنیا کی تمام طاقتوں اور قوتوں کی جڑوں  
 میں پائی ہو چکا ہے اور اسی سے ان کی زندگی قائم رہتی ہے

ہماری تاریخ ہمارے آباؤ اجداد کی تاریخ خواہ ان کا وطن عرب ہو یا عجم  
 بہر صورت وہ ہمارے اسلاف و اکابر ہیں ہم ان سے وہی رشتہ رکھتے ہیں جیسے کسی  
 درخت کی پتیاں انہی جڑ سے اڑ جاتی ہیں، تاریخ کے تار اپنے پائے اور اسٹیشن سے رشتہ رکھتے ہیں  
 انہیں آباؤ اجداد کی تاریخ ہمارے لئے سب سے بڑا سرمایہ ہمارا نایاب نازنا تہ اور قابل  
 افتخار ورثہ ہے، ہر کوئی بتاتی ہے سب سے بڑھتی ہے یا دولا تی ہے اور جھوٹاتی ہے کہ مسلمان  
 نے کبھی کسی دنیا کی طاقت کے سامنے ایمانی طاقت رکھتے ہوئے سر نہیں جھکایا کبھی  
 کسی ظالم سے اس کی گردن کٹ تو گئی لیکن جھکا ئی نہ جا سکی۔ اسلامی تاریخ کے دوران  
 جن میں عروج و زوال اور ترقی و انحطاط کی داستانیں ہیں وہ ہمارے لئے عرف واقعات  
 اور قصے نہیں ہیں بلکہ عبرت و موعظت کا سامان ہیں ہماری تاریخ کا عروج ہمارے لئے  
 نشان منزل اور ہماری تاریخ کا زوال ہمارے لئے خطرہ کا سائگن ہے۔

دنیا میں اس وقت ہم مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی سلوک اور برتاؤ کیا  
 جا رہا ہے یہ کوئی نئی بات یا اس زمانہ کی نئی کوڑ نئی اقتاد یا ملت اسلامیہ کا نیا  
 امتحان نئی آزمائش نہیں ہے یا یہ کوئی اتفاقی حادثہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ قدرت کا ازلی  
 دستور ہے کہ ظلم و الفساد فی البر و العی، جمعا کسبت ایادی الناس الخ۔  
 اس وقت انسانیت کے امین اور بشریت حقیقی سے سرفراز و ہی افراد ہیں جن کو  
 دنیا مسلمان کہتی ہے موجودہ حالات کے امکان میں غیر اقوام کا ہاتھ کم اور خود مسلمانوں  
 کا حد زیادہ ہے نفاق و شقاق اور اختلاف نے ان کو اقتدار عالم سے ہٹا کر ایک  
 دروازہ گر قوم بنا دیا ہے۔ ہے جرم معینی کی سزا مرگ مفاجات۔ اسلامی مائیک  
 کا امید اور ان کا ہر زخم اور ہم ہندوستانی مسلمانوں کی مظلومیت پر کوئی علیحدہ علیحدہ  
 چیز نہیں ہے ایک ہی رخ کی دو تصویریں ہیں ایک ذہنی غلامی کے شکار ایک مظلومیت  
 اور حکومت کے شکار۔

وقت کی رفتار کو اور زمانہ کی آواز کو سمجھنے کی ضرورت ہے، زمانہ کسی کا ساتھ  
 نہیں دیتا اور نہ کوئی زمانہ کا ساتھ دیا کرتا ہے یہ ہمارے موجودہ زخم اور ہم پر کئے گئے  
 تازہ وار اندوز، احمد پور، دلشیرہ ادا احمد آباد کی نئی قیامت ہمارے لئے خطرہ کی گھنٹی  
 ہیں ہماری بقا اور زندگی کے لئے ایک صلیب ہیں۔ یہ واقعات نظر انداز کرنے والے  
 واقعات نہیں ہیں یہ اگر عارضی ہوتے تو نظر انداز کئے جا سکتے تھے لیکن ان کا سلسلہ

ان کے صحیحے کارفرما یا تاجروں کا استقلال نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں دیتے  
 پچھلے زمانہ میں خدا کا پیغام نبیوں کی زبانی آجا یا کرتا تھا لیکن اب جبکہ خدا کی پیغام آچکا  
 اور ہدایت و نجات امن و دعائیت کے تمام راستے انسانیت کو سکھلا دیئے گئے اب  
 کوئی تازہ پیغام، کوئی ہدایت نہیں آئے گی بلکہ اب خدا کے پیغام کو جس کو ہر مکان و  
 زمان میں تازگی اور تازگی کا شرف حاصل ہے اور جس کو ابدیت و سرمدیت کا مقام  
 حاصل ہے اس پیغام کو دمانے سے جان بوجھ کر سکھلانے سے اس کی توہین کرنے  
 سے اس سے پہلو تہی کرنے سے خدا کا عذاب آتا ہے اس کا عذاب آتا ہے خدا کا  
 پیغام بھی گمراہی میں آتا ہے اور اس کا عذاب بھی گمراہی میں آتا ہے فرق اتنا ہے کہ  
 پیغام شفقت و رحمت کا پر تو ہوتا ہے اور عذاب اس کے غضب و غضب کا مظاہرہ۔  
 پہلی گمراہی پر ظہر کو تیس اور تم آتا ہے اس کی رحمت جوش میں آتی ہے اور پیغام  
 کے بعد گمراہی پر خدا کو غصہ آتا ہے اس کی شان جباریت حرکت میں آجاتی ہے۔

ہمارے لئے خدا کا پیغام تو پورے سو برس قبل ہی آچکا جس پر چل گیا، دیکھا گیا پھر کھا  
 گیا۔ ہم نے بھی دیکھا پھر کھا اور ہمارے دشمنوں نے بھی دیکھا اور پھر کھا اور وہ کہہ لگے  
 کہ "انسانیت کی طالع کا فضاں نہ ہی پیغام ہے اس پیغام کے آنے کے بعد جو کہ  
 اس پیغام کو ہم زندگی نہ دے سکے اسکو اسلاف کی طرح خون دل اور خون عطرے  
 سے سیراب نہ کر سکے تو اب ہم پر خدا کا عذاب آتا ہے حاکم ہونے کی حالت میں  
 بھی آتا ہے اور رعایا ہونے کی صورت میں بھی آتا ہے ضرورت اس بات کی  
 ہے کہ ہم وقت کے مطالبہ کو سمجھیں وقت کا مطالبہ ہمیشہ مسلمانوں سے رہا  
 اور اس دنیا کے حالات بھی اپنے زیر قدم اور عروج و زوال میں مسلمانوں کے توجہ  
 رہے ہیں اس وقت بھی اس کی آواز ہمارے کانوں تک آرہی ہے اگر ہم نے اس  
 آواز پر کان نہیں دھرا ہمارے حالات میں تبدیلی نہیں آئی تو زمانہ بھی نہیں بدل  
 سکتا ہمارے اس ملک میں ظلم و ستم ہونا اس ملک کا کمزور اور بے جان سیاست  
 کی علامت ہے اس کے تصور و اور ہم بھی ہیں پر تو وہ جگہ تقی میں میں ہم برسوں  
 رہے برسوں اس کی ترقی و آرائش کی برسوں اس کو دوست دیا ہم نے اس کو

اتفاق و اتحاد کا سبق دیا یہاں ہم نے آہستگی کو فروغ دیا ہم نے اس کو بار بار برتن  
 کی طرح مانجھ مانجھ کر چمکایا، یہاں کے ان سرسائی حالات کو ختم کرنے کی صورت  
 اب بھی ہمارے ہاتھ میں ہے اب بھی ہم ظلم و ستم کی گلابی مردہ سکتے ہیں، ان حالات  
 یہاں کی برسر اقتدار حکومت یا اکثریت ختم نہیں کر سکتی اگر یہ جان کے بس میں ہوتی  
 تو وہ اس کو کرتی۔ فضا اور ہوا بتا رہی ہے کہ یہ پانی کی گھونٹ یا لقمہ نہیں ہے جسکو  
 باسانی گھٹے کے نیچے آ کر لیا جاتا ہے۔

وقت آپ سے کچھ مطالبہ کر رہا ہے یہ مطالبہ ایمان کا مطالبہ یقین کا مطالبہ  
 عزم اور حرارت کا مطالبہ، اسلام سے محبت کا مطالبہ ہے قابل غور بات ہے کہ زمانہ  
 کا مطالبہ کیا ہے اور ہم اسے کیا دے رہے ہیں وہ محتاج ہے تریاق کا اور ہم  
 اسے زہر دے رہے ہیں وہ محتاج ہے آب حیات کا اور ہم اس کے زہر میں سہم  
 قائل بھر رہے ہیں۔ ہم کو جو کچھ زمانہ کو دینا چاہئے حاکم وہ اس کو پیرا دے رہے ہیں





# اسلام میں چوری کی سزا

## پالو صاحب کے افکار پر ایک منظر

از: محمد علی اعظم منظم دارالاسلام ندوۃ العلماء لاہور

اگست ۱۹۵۷ء کے ہی ڈائجسٹ  
 پانچواں شمارہ صاحب پالو کا ایک مضمون  
 چور کے ہاتھ کاٹنا نہ نظر سے گزراں  
 علامہ صدیق جید کا وہ مرام اسلامی  
 میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔  
 ملاحظہ فرمائیے۔ پالو صاحب نے مذکورہ  
 مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی  
 کہ سزا کا قطع یہ قرآن کریم سے ثابت  
 ہے بلکہ فقہاء اور مفسرین کی غلط فہمی  
 نتیجہ ہے۔ دلیل کے طور پر مصروف  
 قرآن مجید ہی کی کچھ آیات کا حوالہ  
 دیا ہے۔ چنانچہ اسناد و گزرائی حضرت  
 ابانہ اور اوس صاحب شیخ الفیہر  
 راہ علوم ندوۃ العلماء کے حکم سے یہ چند  
 طریق بطور استدراک کے پیش  
 دست کر رہا ہوں۔

والسارق والسارقة  
 اقطعوا ایمنہما اجزاء  
 ہما کما ینکالان اللہ  
 اللہ عنہما لیسوا لیسوا  
 اب من بعد ظلمہ واصلم  
 بات اللہ یتوب علیہ ان  
 لہ غفور رحیم۔

(اور چور چوری کرے اور جو عورت  
 چوری کرے سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ  
 دیں جو ان کے گناہ کی بنا پر ہے۔ اور  
 باقیوں سے اور اللہ بڑا بخشنے والا حکیم  
 ہے پھر جو اپنی اس زیادتی کے پورے  
 گناہ سے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ پر توجہ  
 دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا رحیم ہے)  
 یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی  
 ہے کہ عطا الرحمن صاحب پالو نے مکرر

حدیث میں سے ہیں اس لئے بہتر  
 ہو گا کہ لفظ قطع کو جس کی تائید  
 میں پالو صاحب نے بڑی غلطی  
 کی ہے پہلے لغت کی روشنی میں  
 دیکھا جائے۔  
 قطع القطع ایمانہ بعض  
 اجزاء الجس م من بعض  
 فصلاً (لسان العرب ج ۱۰ ص ۱۰۹)  
 قطع ایمانہ من بعضہ فصلاً  
 (تاج العروس جلد ۵ ص ۱۰۹)  
 القطع فصل الشیء مصادکاً  
 بالصبر و مداس کے بالاصبر  
 (المفردات امام سبکی ص ۱۰۹)  
 قطع کاٹنا کاٹ دینا خواہ وہ  
 طور پر ہو یا سنوی طور پر کاٹنے کا  
 معنی تمام استعمالات میں مشترک  
 ہے۔ باعتبار لغت پالو صاحب  
 بھی اعتراض کرتے ہیں کہ قطع کے  
 لغوی معنی بلاشبہ کاٹنے کے ہیں۔  
 پالو صاحب کہتے ہیں سورہ  
 مائدہ میں: چور کے سلسلہ میں جو  
 قطع یہ کے الفاظ آئے ہیں وہ لغوی  
 معنی میں استعمال نہیں ہوئے ہیں  
 کہ حاکمی چور کا ہاتھ کاٹنا جائے،  
 بلکہ عاوردہ استعمال ہوئے ہیں جس  
 طرح ہم لوگ مجبور اور پابند ہو جانے  
 کے سوا کسی پر بولتے ہیں کہ ہمارے  
 ہاتھ کاٹ چلے یا ہم نے خود اپنے  
 پاؤں پر تلہ بازی مار لی۔ مجبور پابند  
 ہونا تو ارادہ و خواہش سے ہے نہ کہ غریبی  
 کا۔ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ

کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح  
 کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم  
 پالو صاحب کا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے  
 جسم پر پردہ ڈالے گا اگر ہاتھ  
 ہی کاٹ ڈالا گیا تو پھر توبہ و اصلاح  
 کہاں ہوگی اور رحمت و مغفرت  
 کا کیا سوال؟ اللہ تعالیٰ اس کے  
 جرم پر پردہ کیسے اور کیسے ڈالے گا۔  
 فمن تاب من بعد ظلمہ الا  
 پالو صاحب کو معلوم ہونا چاہیے  
 کہ اس آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں  
 ہے کہ چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے بلکہ اس  
 صاف مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کے  
 بعد جو شخص توبہ کرے اور اپنے نفس  
 کو چوری سے پاک کرے اور اللہ کا  
 صالح بندہ بن جائے تو اللہ تعالیٰ  
 کے غضب سے آخرت میں بچ جائے  
 گا لیکن اگر کسی نے ہاتھ کاٹوانے  
 کے بعد اپنے آپ کو بدعتی سے پاک  
 نہ کیا اور وہی گندے جذبات اپنے  
 اندر پرورش کئے جس کی وجہ سے اس  
 نے چوری کی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنا  
 گیا تھا تو اس کے معنی یہ ہونے کہ ہاتھ  
 تو اس کے جسم سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا  
 مگر چوری اس کے نفس میں بدستور  
 موجود رہی لہذا وہ خدا کے غضب  
 کا اسی طرح مستحق ہے گا۔ جس طرح  
 ہاتھ کاٹنے سے پہلے تھا اسی لئے قرآن  
 کریم چور کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اللہ  
 تعالیٰ سے معافی مانگے کیونکہ ہاتھ  
 کاٹنا تو نظام تمدن میں سے ہے  
 اس سزا سے نفس پاک نہ ہو گا۔ نفس  
 کی پاکی کے لئے توبہ اور رجوع الی اللہ  
 ضروری ہے۔  
 حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں چور  
 کا دہنا ہاتھ کاٹنا قرآن و سنت  
 اور اجماع امت سے ثابت ہے۔  
 الیاسة الشرعیہ ص ۱۰۹  
 کتاب میں آگے بڑھ کر ذکر  
 ہو جانے کے بعد اسکے جاری کرنے میں

تاخیر کرنا یا چور کو قید و بند کی سزا  
 دینا یا قید کے چھوڑ دینا جائز  
 نہیں ہے بلکہ عام بیخ میں چور کا ہاتھ  
 کاٹنا واجب ہے اس لئے کہ حد  
 کا قائم کرنا اسی طرح عبادت ہے  
 جس طرح جہاد فی سبیل اللہ امیر  
 کو چاہیے کہ اس کے پیش نظر اللہ  
 کی خوشنودی حاصل کرنا اور اس  
 کا مقصد مخلوق خدا کو منکرات و منہیات  
 سے روکنا اور لوگوں کے مال کی حفاظت  
 کرنا اور چور کی اصلاح ہو۔ پالو  
 صاحب دوسرے کے سلسلہ میں فرماتے  
 ہیں کہ جب اس نے ضرورت کا حکم صادر  
 ہوا تو یہ بھی تخصیص کر دی گئی۔ فاعلموا  
 وجوب حکمہ و ایسا دیکھو الی  
 الملحق۔ تم دھوؤ اپنے چہروں  
 کو اور اپنے ہاتھوں کو کہیں تک۔  
 لیکن اسی سورہ میں جب ایک  
 قانونی سزا کا حکم آگے جھلکے ذکر ہونے  
 لگا تو یہ اہم شق مطلقاً چھوڑ دی  
 گئی کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟  
 دھو میں الی المرافق کی قید ضروری تھی  
 اس لئے کہ لفظ سید کا اطلاق  
 لغت میں ناخن سے لیکر مونڈھے  
 تک ہوتا ہے جس طرح لفظ رجل  
 کا اطلاق پیر کی انگلی کے ناخن سے  
 لے کر کولے تک ہوتا ہے۔ پھر  
 اہل عرب و عجم سے ناواقف تھے  
 ان کے یہاں وہ صورت ایک غیر معروف  
 چیز تھی خود حضور کو حضرت جبریل  
 نے اللہ کے حکم سے طریقہ و صورت بتلایا  
 تھا اس لئے ضروری تھا کہ ایک ایسا  
 حکم جس کا کرنا ہر مرد و عورت پر روزانہ  
 کم از کم پانچ بار ضروری ہو اس کو  
 بغیر کسی صراحت کے نہ چھوڑا جائے  
 ورنہ ممکن تھا کہ منافقین اور لوہ  
 کے کچھ بگ بگ قسم کے لوگ لغت  
 کی دست سے فائدہ اٹھاتے ہوئے  
 جہاں سے ان کا جی چاہتا اعضا سے  
 دھو کر دھوئے اس لئے کہ ان کے

سائے اس سلسلہ میں کوئی متحدہ  
 اور تعین نہ ہوتی۔ رہا قطع یہ۔ توبہ  
 سزا قبل اسلام بھی عرب میں رائج  
 تھی و کائنات قطعوت۔  
 سید السارق الیمن و یصلیون  
 فا قطع الطریق۔ کتاب الجہاد  
 (اہل عرب اسلام سے پہلے بھی چور  
 کا ہاتھ کاٹتے تھے اور رہنروں  
 کو پھانسی دیتے تھے)  
 وقد کان القطع  
 معمولاً فی الجاہلیۃ فقہ  
 فی الاسلام و زیدت شروط  
 آخر کما کانت القسامۃ  
 والدیۃ والفرع۔  
 زمانہ جاہلیت میں چور کے ہاتھ  
 کاٹنے کا معمول تھا اسلام نے  
 بھی مزید دو سکر اضافہ کے ساتھ  
 باقی رکھا جسے دیتا اور زمین وغیرہ کو  
 باقی رکھا۔  
 آگے ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ  
 زمانہ جاہلیت میں جس شخص کا ہاتھ  
 چوری کے جرم میں سب سے پہلے  
 قریش والوں نے کاٹا تھا اس  
 شخص کا نام (دو ایک) تھا اس  
 نے خاند کعبہ کا خزانہ چرایا تھا۔  
 ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں  
 نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں  
 چور کے ہاتھ کاٹنے کا معمول تھا اسلام  
 نے بھی اسکو مزید اصلاحات کے  
 ساتھ برقرار رکھا۔ (تفسیر ابن کثیر  
 سورہ مائدہ)  
 ان تفصیلات کو اگر سامنے رکھا  
 جائے تو اتنی بات یقیناً ثابت ہے  
 کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کا رواج قدیم  
 تھا اور یہ قانون اسلام سے پہلے  
 بھی رائج تھا اور اہل عرب اس  
 پر عمل پیرا تھے۔ البتہ ان کے  
 یہاں اس سلسلہ میں کوئی منظم  
 قانون نہ تھا۔ اسلام نے اگر معروف  
 اس سابقہ قانون کی توثیق کی بلکہ

اس میں کچھ اصلاحی اضافے بھی کئے  
 پھر ایک بار اسی طرح کچھ لیسنا  
 چاہئے کہ قطع یہ کا قانون تو عرب  
 میں پہلے ہی سے رائج تھا اور عرب  
 اس سے واقف اور مانوس تھے۔  
 اس جرم کی سزا وہ بھی چوروں  
 کو بھی دیتے تھے اس لئے جب اس  
 آیت کا نزول ہوا تو اس سے ان  
 کے اندر سراسیمگی یا استعجاب کی  
 کیفیت پیدا نہیں ہوئی بلکہ انہوں  
 نے اس کو بغیر کسی ناگواری اور  
 ناپسندیدگی کے قبول کر لیا۔ خدا کا  
 کتنا بڑا احسان ہے امت محمدیہ پر  
 کہ اس نے امت کی آسانی کیلئے  
 دو چار مقدموں کا فیصلہ خود آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں  
 کر دیا تاکہ امت کے لئے عملی فائدہ  
 بھی موجود رہے۔ لہذا ان تصریحات  
 کے بعد پھر ایک بار اسی طرح یہ  
 ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اب  
 جہاں بھی خالقو الید بہا بولا  
 جائے گا وہاں اس سے وہی  
 منہوم بچا جائے گا جو نزول قرآن  
 کے وقت لیا جاتا تھا۔ اور اس  
 کو کسی عاوردہ پر ہرگز ہرگز عمل  
 نہیں کیا جائے گا۔  
 پالو صاحب کا فرمانا، کہ  
 معری عورتوں نے کیا اپنے ہاتھ  
 گٹھے کاٹ کے پھینک دیئے  
 تھے پھر آگے یہ نقل کرنا کہ کہا جاتا  
 ہے کہ ان عورتوں نے اپنی اپنی انگلیاں  
 میں خراش لگائی تھی۔ اول قطع  
 کی ہم لغوی تشریح اور کر چکے ہیں  
 جہاں تک خراش کا تعلق ہے لغت  
 میں خراش کے لئے قطع کا استعمال  
 نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے لئے الخرج  
 الخراش وغیرہ آتا ہے۔ پھر  
 قطع باب تفعیل سے ہے جس کے  
 خاصوں میں ایک خاصہ لکڑی لکڑی  
 کر دینا بھی ہے۔

تعمیرت  
 ہلے  
 اشتہار  
 دے کر اپنی  
 تجارت  
 کو فروغ دیجئے

# اسلامی اخلاق (تاریخی حقائق کی روشنی میں)

(واللہ اعلم)

اس کا علاج کر لیا اور اس کے لئے بڑے بڑے اہل علم اور علمائے کرام بھیجے گئے۔

۳۔ جب سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ نے مئی ۱۴۹۲ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا تو یہ اسلامی اخلاق کا اثر و نثر تھا کہ سلطان معظم نے تمام مذہبوں اور یونانیوں کے ساتھ ہنایت نرمی اور بھائی چارگی کا برتاؤ کیا اور ان کے دینی و مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی بلکہ ان کے لئے ہر قسم کی آزادی کو بردار رکھا اور انھیں میں سے ان کی آرزوئی دیشوائی کے لئے ایک بطریق اعظم (پوپ) مقرر کیا اور جو ان چند کلیسیوں کے برحقیت میں مندر سے گمے بنا لئے گئے تھے سب گرجے ان کے حوالہ کر دیے اور انہیں ان کے ہر قسم کے حصول کے لئے سزاوار قرار دیا اور اسی قسم کے دوسرے مراسم خیر و نیکانہ رکھے اور نہ قسطنطنیہ کے نظریاتی تو اس کے مستحق تھے کہ ان کو بالکل ختم کر دیا جاتا کیونکہ وہ یہاں بیٹھ کر آٹھ سو برس تک اسلام کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنا تے رہے تھے۔

۴۔ قریش مکہ سے اسلام کی سب سے پہلی اہم ترین جنگ غزوہ بدر کہا جاتا ہے جس کی فتح و کامرانی کا سہرا مسلمانوں ہی کے سر پہ جنگ بدر کے قیدیوں میں ایک نوجوان شخص سہیل بن عمرو نامی تھا جو آزاد اور درپوش مقرر تھا عام عیوں کے درمیان مسلمانوں کی مخالفت میں تقریریں کرتا لوگوں کے جذبات کو ان کے خلاف ابھارتا اور خود بھی آنحضرت کے قتل کی سازشیں کرتا تھا اسی طرح ان قیدیوں میں جلتے بھی تھے تقریباً بھی اس قسم کی ذہنیت کے تھے یہ دیکھ کر صحابہ کرام کے سینے سے اتھام کی دہی ہوئی جنگاری مشتعل ہو کر باہر آگئی چنانچہ انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ان سرکشوں اور سر بسنندوں اور ظالم و جاہل قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے مگر آنحضرت نے اس موقع پر بھی وہی اخلاق درودار کی کا شیوہ اختیار کیا اور صحابہ کو ان کے عزائم سے سختی کے ساتھ باز رکھا اور یہ طے کیا کہ امیروں سے قیدیوں کو انکو رہا کر دیا جائے جو نادر وغریب پڑھے لکھے ہیں وہ مسلمان بچوں کو تعلیم دیں اور جو اس کی بھی صلاحیت نہ رکھتے ہوں وہ فی سبیل اللہ آزاد ہو جائیں غور کیجئے کہ وہ ایمان قریش جو مسلمانوں کے حق میں خود کو بے نظیر بنائے اور اسلام کو بے نظیر اسلام کے ازلی دشمن تھے۔ مسلمانوں کی قید و بند میں امیر تھے تو کیا انہیں اس بات پر قدرت نہیں تھی کہ ان تمام قیدیوں کو منرائے موت دیدیتے یا وہ اس بات پر مقدر نہیں تھے انھیں قید میں رکھ کر طرح طرح کی آذیتیں پہنچاتے اور عبرت ناک سزا ملنے دیتے لیکن قربان جانیے اس ذات گرامی کے جس نے ان سب چیزوں سے بالاتر ہو کر اسلامی اخوت درودار کی از حسن سلوک کا ایسا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

یہ تھی غمناک انسانیت صلح اور اسلامیان صلح کے اسلامی اخلاق کی شان جس سے وہ زمین ہی پر نہیں لوگوں کے دلوں پر بھی حکومت کیا کرتے تھے۔

## خط و کتابت کے وقت

اپنا پتہ صاف اور صحیح خط تحریر فرمائیں

# سیر و سیر

انٹارکٹیکا و سائنس

نظاہر سے نظریہ معصومانہ اور بھولا بھالا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی نفسیاتی تحلیل کے بعد ایک بیدار مغز قاری اس نظریہ کے عمق تک پہنچ کر ان لہجہ تک غراں کا تہہ لگا سکتا ہے غرض اسلام سے روحانی عنصر اور جزا اعظم کو خارج کرنا ہے تاکہ اسلام کی قرآن کی اور محمد کی روحانی حیثیت ختم کر کے باسانی سابقہ نظریات (یعنی اہل آسمانی مذہب نہیں، قرآن آسمانی کتاب نہیں اور محمد زمین سیاست دان تھے وغیرہ) کی تائید (سائنٹفک طور پر) کی جاسکے۔ اسلامی دعوت یا تحریک سے روحانی عنصر کو لکے بغیر یہ مفہوم حاصل ہو سکتا ہے جدید ذہن (جو دلوں کو تحریکات کی اصطلاحات سمجھنے کا عادی ہے) پر چکا ہے اکی تسکین ممکن ہے۔

کسی مذہب، تہذیب اور ثقافتی درو حالی روایات کو ان نظریات کے ساتھ پیش کرنے اور ایک مخصوص ذہنی ساخت و عقائد کی تبلیغ کے بعد ایک جگہ ہونے کا دعویٰ کس قدر مضحکہ خیز ہے اس کا اندازہ تنقید اور فن جوہر و واقعات کا ادنیٰ طالب علم کو بھی ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ مغربی مفکرین اور ناقدین نے جدید فن نقد میں اصول نقد مقرر کر کے پیش بہا علمی اضافے کیے ہیں۔ ناقد کا فرض ہے اس کے کمالات اور نقد کے نقطہ نظر سے عروج پر لا تعداد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ خاص ادب و نظم و نثر و شاعری

وغیرہ) کے علاوہ تاریخ و ثقافت کی تنقید میں بھی انھیں عام تنقیدی اصول استعمال انگریز تصور کیا جاتا ہے مثلاً تعصبات، الفتن کے جذبات، عقائد کے اختلافات قومی طبقات اور جماعتی تعصبات سے پاک ہونا۔ اصول نقد کے اعتباراً مطالبات ہیں۔ کچھ ثقافت کے معروف انگریزی ناقد آرنلڈ جو نقد ادب کا بھی سورما ہے اور جس کی کلچرل اینڈ انڈر کی معروف تصنیف میں ہیں۔ ناقد کے فرض میں پرکھتے کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

لیکن بد قسمتی سے اسلام اور اسلامی روایات پر نقد و نظر کے وقت یہ تمام تنقیدی اصول بالائے طاق ہوتے ہیں، اس وقت شخص جسے آہمی عقائد کا پردہ گندہ مقصود ہوتا ہے اسلام کے خلاف پردہ بگڑا کی یہ مشہری شخص روحانی روایات تہذیبی و ثقافتی روایات کو سمجھنے تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر میدان میں یہ عمل جاری ہے تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کے میدان میں یہ سرگرمیاں روز بروز سے جاری ہیں بلکہ یورپ میں سب سے پہلے اسلامی تاریخ کو سمجھنے کی تحریک چلائی گئی کیونکہ تاریخ ایک امت کی روحانی تہذیب و ثقافتی جدوجہد کے مثبت نقوش کا کار کا ڈھول ہے، تاریخ نویسی اور سوانح نگاری دونوں پردہ بگڑا کے

باقیوں زخمی ہو کر جان کنی کے عالم میں مبتلا ہو گئی۔ محمد کے مغربی سیاست نگاروں نے جو گلے کھلائے ہیں وہ خراب بیان نہیں۔

انتہا پسند اور اعتدال پسند مصنفین اسلام کے خلاف لکھنے والے یا پردہ بگڑا کرنے والوں میں دو گروہ ہیں ایک تو وہ جسے اسلام میں کوئی خوبی، حسن و لطافت سے نظر نہیں آتا، وہ اسلامی دعوت کی خوبیوں کا کیمسٹر ہے اسلام میں جو اچھائیاں نظر آتی ہیں وہ اسلامی دعوت کا اثر نہیں بلکہ خالص اور سادہ لوح بددیار زندگی کا اثر ہے مثلاً شجاعت و عیاضت و علم و بردباری و عفو و کرم وغیرہ صفات سب کچھ بھلے بھالے معصوم بددیار عرب کی رگوں میں سمائی ہوئی تھیں۔

اسلامی تحریک میں شامل ہونے والوں کی وہ صفات بھی اچھی ہیں (ملاحظہ ہو گلوبل کامیونٹی مقالہ Bedouin Ethics and Islamic Values) اسلام کے خلاف لکھنے والوں میں دو سرگروہ قدسے اعتدال پسند واقع ہوا ہے، گروہ ذاتی نظریات و عقائد کے باوجود اسلام کے بعض خاص اور خوبیوں کا معترف ہے

اعتراض حق میں فیاض نہ ہوئی تھیں بھی انہیں تاریخ ترین تنقید کے تجربہ وہ ان خاص کے اعتراض میں حیا و محسوس نہیں کرتا جو اس گروہ کی ہم نگر تہذیب عقیدہ برادری میں عقارب (بفضل شہادت بہ الاعمال) جنگ صلیب میں یہ تقریریں خاص نمایاں ہے۔

زیر نظر مقالہ کی تحریر میں آخر لکھتے ہیں اعتدال پسند مورخین اور سیرت نگاروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ تعصبات کے الزامات سے بچنے کے لئے اسلامی اسکالر مورخین اور سوانح نگاروں کا کہنا

کوئی حال پیش نہیں کیا گیا ہے۔ اعتدال پسند مورخین کا انتخاب جو مصادر اس مقالہ میں استعمال کیے گئے ہیں ان پر فریاد فرما تہذیب یا ان روایات کی جو جرح و تعدیل یہاں ممکن نہیں بعض اہم مصادر پر چند اشارے مقصود ہیں۔ تاکہ قاری کی مزید جستجو اور سراغ رسانی میں سہولت ہو سکے۔ بعض روایات میں انسانی سادگی یا برعکس کے مقالہ سے استفادہ کیا گیا ہے، نواحی مسائل میں برٹشکا کا حوالہ دیا گیا ہے۔

قوم بچوں کی سیرت پر فریاد و کیمسٹر کی اصل کتاب تاریخ کا مطالعہ ۱۹۳۵ء سے ہوا ہے لہذا اس سے پہلے کا تاریخی سرمایہ محض سماجی اور مذہبی تاریخ پر مشتمل ہے اس سلسلہ میں کو لہجہ یونیورسٹی (نیویارک) میں ہونے والی تاریخ اعداد و بیانات کے معترف پروفیسر سالوڈیمیر سیرن (Salomon) کی چوری کی سماجی اور مذہبی تاریخ (Associated and Religious History) سے استفادہ کیا گیا ہے جو معروف کی دس جلدیں لائق مطالعہ ہیں اور اہم ترین نے ان دس جلدوں سے غیر معمولی استفادہ کیا ہے۔

یہ کتاب پوری نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے لیکن اس کے باوجود حق کی چند جھلکیاں موجود ہیں۔

(باقی آئندہ)

**تغییر حیات کے**  
برائے پرچے موجود ہیں  
خطوط  
کے ذریعہ حاصل کیے جاسکتے ہیں

# مسجد جامعہ کے لئے اپیل

مسلمانوں کی زندگی میں مسجد کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے ان کی انفرادی تربیت اور اجتماعی تنظیم مسجد کے بغیر دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے ہی اس جانب توجہ کی اور خاص اہتمام سے مسجد نبوی تعمیر کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک کی روشنی میں یہاں جہاں مسلمانوں کی آبادیاں قائم ہوئیں مسجد کو اولین درجہ دیا گیا۔ جامعہ صلیبیہ اسلامیہ قائم ہوئی تو اسکے بائیں اور کارکنوں کے ذہن میں بھی شروع ہی سے مسجد کی تعمیر کا خیال تھا لیکن وسائل کی کمی کی وجہ سے عرصہ تک یہ خیال عمل کی شکل نہ اختیار کر سکا تاہم کرایہ کے مکانات میں بھی ایک کمرہ نماز کے لئے مخصوص کیا جاتا رہا۔ جب اوکھلے میں اپنی آبادی بسانے کا خیال ہوا تو مدرسہ کی ابتدائی عمارت کے قریب ہی نماز کے لئے ایک ہال بنایا گیا جو مولانا محمد علی کے نام پر "محمد علی ہال" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اب تک اہل جامعہ کی عبادت گاہ ہے۔ ۱۹۲۶ء میں سلور جوٹی کے موقع پر جب قوم سے جامعہ کی عمارتوں کے لئے اپیل کی گئی تو مسجد کی تعمیر کی جانب سے توجہ دلائی گئی۔ محمد عظیم ڈاکٹر ڈاکٹر حسین صاحب نے مشہور جرنل آر کی ٹیلیکسٹریٹس سے مسجد کا بیت ہی خوبصورت نقشہ بنوایا۔ لیکن ۱۹۲۷ء میں فسادات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ کئی برس تک کوئی قدم آگے نہ بڑھایا جاسکا۔ چار پانچ برس کے بعد جب حالات اعتدال پر آنے لگے تو پھر مسجد کی تعمیر کی جدوجہد شروع کی گئی لیکن مسلمانوں کے اقتصادی حالات ایسے تھے کہ خاطر خواہ رقم فراہم ہو سکے، جشن چہل سال کے موقع پر ۱۹۶۵ء میں فراہمی سرمایہ کی ایک اور کوشش کی گئی۔ قوم کے نام ایک پبلشر نے شروع کی گئی۔ اس طرح مجموعی رقم ۵ ہزار روپے تک پہنچی۔ نئے حالات کے پیش نظر پرانے نقشے پر نظر ثانی کی گئی اور ملک کے نامور آرکیٹیکٹ جناب فیاض الدین صاحب سے نیا نقشہ تیار کرایا گیا۔ اس نقشے کو سب لوگوں نے پسند کیا۔ پھر اسے محمدی ڈاکٹر ڈاکٹر حسین صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے بھی اسے پسند فرمایا۔ موصوف کی تائید سے کارکنوں کی بہت بندگی اور کام کو آگے بڑھانے کی فکر ہوئی۔ موصوف کو مسجد کی تعمیر سے اس قدر دلچسپی تھی کہ وہ وقتاً فوقتاً اس جانب کارکنوں کو توجہ دلاتے رہتے تھے۔ گذشتہ عرصہ کے موقع پر ناظم دینیات کو خاص طور سے تاکید کی کہ تعمیر مسجد کا کام جلد شروع کیا جائے۔ ان کی اس خواہش کے مطابق جناب شیخ الجامعہ کے مشورے سے رحیمپور جامعہ نے مجلس منتظمہ میں یہ تجویز پیش کی کہ تعمیر مسجد کی نگرانی کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ مجلس منتظمہ نے اس تجویز کو منظور کیا۔ اور ایک کمیٹی بن گئی۔ کمیٹی کے کارکنوں نے مارچ میں کام کا آغاز کیا۔ بنیادیں کھدے گئیں تو ڈاکٹر صاحب مرحوم

کو اطلاع دی اور ان کے مفید مشوروں سے استفادے کی خواہش کی موصوف اس اطلاع سے بہت مسرور ہوئے اور ۱۹۶۷ء میں کو حاضر خدمت ہونے کی اطلاع دی۔ مرحوم کا یہ خط مرحوم کو صبح ملا۔ مسجد کمیٹی کے کارکنان مسرور تھے کہ انہیں پیش قیمت ہدائیتیں حاصل ہوں گی لیکن انھوں نے کہ

آن قدر شکست و آن ساقی نہ ماند  
اس خط کے ملنے کے دو تین گھنٹے بعد یہ المناک خبر ملی کہ موصوف اللہ کو پیارے بچے اس ماہ ۱۹۶۷ء میں ہی اس کا اتفاق ہوا ہے کہ اب ہم اپنی جدوجہد کو اور تیز کریں اور جلد سے جلد ان کی دیرینہ تمنا کو بر لانے کی کوشش کریں یہی امید ہے کہ مرحوم کے عقیدت مندوں کی جانب سے اس کام کی تکمیل میں پوری مدد ملے گی تاکہ اپنی آرام گاہ کے پہلو میں عبادت کو دیکھ کر ان کی روح خوش ہو رقم بہت کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اللہ کے بندے اس کار خیر میں مدد دیں گے اور اللہ کا کفر جلد حسن و خوبی کے ساتھ مکمل ہو جائے گا۔

جو حضرات اس کام میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنی رقم خازن جامعہ صلیبیہ اسلامیہ جامعہ صلیبیہ اسلامیہ کے پتے پر بھیجیں اور کوپن پر یا اپنے خط میں تفریح کو دیں کہ یہ رقم تعمیر مسجد کے لئے بھیجی جا رہی ہے۔ فقط

عبد السلام قدوائی ناظم شعبہ دینیات

مدیر مجلس تعمیر مسجد جامعہ

مبلغ اعظم

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی سوانح حیات اور تسلیب یعنی زندگی پر

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ کی پسند فرمودہ کتاب "سوانح حیات مولانا محمد یوسف صاحب" جلد اول و دوم کو ۱۸۷۷ء میں مولف

محمد ثانی حسنی - قیمت دس روپے

پتہ - مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دارالعلوم ندوۃ العلماء عالم اسلام کا مشہور دینی و علمی مرکز ہے جو پندرہ سال سے علم دین کی خدمت انجام دے رہا ہے اور احمدیہ اس کے فضلاء ہندوستان اور بیرون ممالک میں علمی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ حقیقت نہایت قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر طرح کی فلاح و بہبود ان کے اس دین سے وابستہ ہے جس کو لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دین میں تشریف لائے۔ مسلمان جس قدر اس حقیقت کی طرف توجہ کریں گے اور جس قدر دینی کاموں میں دلچسپی اور توجہ لیں گے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت و کامیابی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان تصنیف و اللہ یصور کمہ و یثبت اقتدا مکتبہ (اگر تم اللہ کا کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا)۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں ایسے دینی اور علمی اداروں کا استحکام نہایت ضروری ہے جو اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں میں علم دین کی اشاعت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ الحمد للہ کارکنان دارالعلوم ندوۃ العلماء بھی اس جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اخلاص و قبولیت سے نوازے۔

اس وقت دارالعلوم میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے علاوہ جنوبی افریقہ، ایشیا، ڈیٹا، نیپال وغیرہ کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں۔ طلباء کی مجموعی تعداد سات سو چونتیس (۷۶۴) ہے۔ ان میں غیر ملکی ستر ہیں۔ اس سال غیر مستقیم طلباء کو تقریباً نوے ہزار کے وظائف (اسکالرشپ) دیئے گئے۔ حضرات مدرسین اور اساتذہ کی مجموعی تعداد سات سو ہے۔ اس وقت ندوۃ العلماء کے سالانہ اخراجات تقریباً چار لاکھ ہیں۔

ملک میں شدید گرانی اور اس سے پیدا شدہ مشکلات کا اب ہر شخص کو خوب اندازہ ہو چکا ہے۔ اس صورت حال کا سخت اثر دارالعلوم پر بھی ہے اور اس کا یہ ضروری اخراجات پورا کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جستماعی بڑے کام بغیر عمومی تعاون کے انجام نہیں پاتے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کو اس اہم کام میں ایسا مافی و حوصلہ سے توجہ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں بھی روایات کے مطابق اس ماہ مبارک میں ہر عمل کا ثواب ستر گنا ملتا ہے، علم دین اور طالبان علم دین پر مسلمانوں کی جو پاک کمانی خرچ ہوگی انشاء اللہ وہ آخرت میں اجر عظیم اور دنیا میں خیر و برکت کا باعث ہوگی۔ میں تمام مسلمانوں خصوصاً اہل استطاعت سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ حسب حقیقت فراغ سے دارالعلوم کی مدد فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

رمضان المبارک اور اس کے علاوہ مختلف اوقات میں بعض حضرات اساتذہ و سفراء دارالعلوم کے سلسلہ میں مختلف علاقوں میں تشریف لیجاتے رہتے ہیں، مقامی طور پر اگر در و مند و اہل خیر حضرات دلچسپی سے تعاون فرمائیں تو انشاء اللہ دارالعلوم کا اعانت کا بڑا کام ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین کی حمایت و نصرت کی دولت سے مسترز فرمائیں۔ آمین

نوٹ: جو حضرات براہ راست اپنی رقم بھیجیں وہ مندرجہ ذیل پتے پر روانہ فرمائیں، رقم جس مذہبی ہوں اسکی صراحت ضروری ہے، چیک و ڈرافٹ پر بھی مندرجہ ذیل پتہ ہوگا۔

ناظم صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ

NAZIM NADWATUL ULAMA  
LUCKNOW

شائع کردہ - شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ

رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ